علامہ ابن حزم

عباد اللہ فاروقی

علی بن حزم کی ولادت اندلس میں آخری ماہ رمضان ۳۸۴ھ بمطابق ۹۹۴ء میں ہوئی۔

قول ابن بشکوال ابن حزم تمام علماء اندلس میں جامع ترین عالم تھے۔ آپ حافظ، محدث، فقیہ مجتہد، سیاستداں ہونے کے علاوہ دیگر کئی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ابن خلکان کا خیال ہے کہ ابن حزم کا خاندان بنو امیہ سے تھا۔ ان کے جد اعلیٰ پہلے پہل اسلام لائے۔ اور فارس ترک کرکے اندلس میں سکونت اختیار کرلی، ان کا نام یزید تھا۔

ان کا حسب نسب حسب ذیل ہے :-

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن غالب بن صالح بن خلف[ع] بن معدان بن سفیان بن یزید مولی یزید بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس اموی[1]۔

ان کے والد ابوعمر احمد دولت عامریہ کے وزیر تھے۔ بادشاہ ابوتمام منصور تھا۔

ع ذہبی نے ابن خلف لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱۔

۱ ابن خلکان و تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔

ابوعمر احمد کا شمار بڑے بڑے عالموں میں ہوتا تھا۔ سارا بلادِ مغرب ان کے حسنِ انتظام اور حسن اخلاق کا معترف تھا[1]۔ ابن حزم کا حافظہ نہایت قوی تھا اور بہت ہی ذکی اور ذہین تھے۔ یہ پہلے شافعی تھے لیکن بعد میں ظاہری ہوگئے۔ یعنی قیاس کو نہیں مانتے تھے۔ اور ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے[2]۔

ابن خلکان اور صاحب شذرات الذہب ابن العماد حنبلی کے بیان کے مطابق انہوں نے حدیث کی تحصیل ۳۹۹ھ میں شروع کی لیکن ذہبیؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں تحصیل حدیث کی ابتدا ۴۰۰ھ بتائی ہے۔ علامہ شبلی نے مؤخر الذکر کے بیان کو تسلیم کیا ہے۔

علمی ذوق ان کو اپنے والد سے ترکہ میں ملا جو بلادِ اندلس کے وزیر ہونے کے باوجود اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے اور ان کے اردگرد علماء اور فضلا کا مجمع رہتا تھا۔ چنانچہ آنکھ کھولتے ہی انہوں نے اپنے اردگرد علم ہی علم دیکھا، اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تحصیل میں لگ گئے۔ علم کے بحر ذخائر میں ابن حزم نے بھی غواصی کی اور علم و حکمت کے وہ موتی نکالے کہ جن کی چمک اور دمک سے آج بھی دنیا کی آنکھیں خیرہ ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے والد کے انتقال کے بعد منصور (دولتِ عامریہ کے حکمران) نے ان کو وزیر مقرر کیا تھا۔ ان کے والد کا انتقال ذی قعدہ ۴۰۲ھ میں ہوا۔ اس طرح یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی وزارت کا زمانہ یقیناً ۴۰۲ھ کے قریب قریب ہے۔ منصور کے انتقال کے بعد مستظہر باللہ عبدالرحمٰن بن ہشام نے ان کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ تو انہوں نے وزارت کے کاموں میں دلچسپی لی۔ لیکن رفتہ رفتہ علمی شوق وزارت پر غالب آیا۔ انہوں نے وزارت چھوڑ دی اور اپنا تمام وقت علوم و فنون کے حاصل کرنے میں لگا دیا۔

کتاب و سنت کے علاوہ ان کو دنیا کے مروجہ مذاہب پر بڑا عبور تھا۔ اپنی مشہور کتاب "الملل والنحل" میں علامہ ابن حزم نے ملاحدہ، فلاسفہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے عقائد و خیالات

---

[1] مرآۃ الجنان صفحہ ۸۱ جلد ۳۔
[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱۔

نقل کئے ہیں اور ان کا رد لکھا ہے[1]۔

غیر مذاہب کے رد میں علماءِ اسلام نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر ان کی کتاب کو جو اہمیت اور مقبولیت حاصل ہے وہ کسی اور مصنف کو حاصل نہیں ہوئی۔ دوسروں نے مذہب کے رد پر زیادہ زور دیا ہے اور مذاہب کے اصول و نظریات پر کم توجہ دی ہے مگر علامہ ابن حزم کی خصوصیات یہ ہیں کہ انہوں نے غیر مذاہب کے عقائد و خیالات کو اصلی صورتوں میں پیش کیا ہے۔ اور پھر دلائل و براہین سے ان کے مسلمات اور کلیات پر ضرب لگائی ہے۔ تورات اور انجیل کے محرف ہونے پر ابن حزمؒ نے جو محققانہ بحث کی ہے اس سے ان کی دقت نظر اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے[2]۔

ابن حزم ابتدا میں قرآن و حدیث کے مطالعہ میں مستغرق رہتے۔ فقہ سے ان کو کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، مگر ان کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے ان کو فقہ کی طرف متوجہ کردیا۔ اور پھر تو اس فن میں انہوں نے وہ کمال پیدا کیا کہ امام داؤد ظاہری کے ماننے والوں میں کوئی ان کے برابر کا نہیں گزرا۔ اور فرقہ ظاہریہ کے لئے ان کی کتابیں "المحلی" اور "کتاب الاحکام" وغیرہ سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبیؒ نے ابومحمد عبداللہ بن محمد بن مغربی کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کی وجہ سے وہ یک بیک علم فقہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عبداللہ بن مغربی کا بیان ہے کہ ابن حزم ایک جنازے کے ساتھ گئے اور مسجد میں جاکر جنازے کے دفن ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ مسجد میں بغیر نماز کے پڑھے ہوئے بیٹھ جانا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ مسجد میں ہر آنے والے کو "تحیۃ المسجد" پڑھنی چاہیئے۔ اِس شخص کے توجہ دلانے پر ابن حزم نے فوراً نفل نماز ادا کی۔ دفن کے بعد واپس ہوئے تو انہوں نے مسجد میں داخل ہوتے ہی جلدی سے نماز کی نیت باندھ لی۔ اور 'تحیۃ المسجد' پڑھنا چاہی۔ ایک دوسرے شخص نے ان کو نماز پڑھنے سے منع کیا کیونکہ عصر کی

---

[1] مقالاتِ شبلی جلد چہارم ص۳۵۔

[2] الملل والنحل ص۴۸۔ باب الکلام علی النصاری۔

از ہوچکی تھی۔ اور عصر کی نماز کے بعد نفل وغیرہ نہیں پڑھے جاتے ۔ ابن حزم بہت خفیف
ہوئے اور وہاں سے سیدھے اپنے اُستاد کے پاس آئے اور ان سے اس واقعہ کو بیان کیا
ہوں نے موطا امام مالک اور اس قبیل کی دوسری کتابیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ ابن حزم
نے مسلسل تین سال تک بڑی دیدہ ریزی اور عرق ریزی سے فقہی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔
اس واقعہ کے بعد یا اس سے قبل ایک روز انہیں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا تھا
بلنسیہ میں قیام پذیر تھے اور وہاں فقہ کے درس میں ایک روز شریک ہوئے۔ انہوں نے
بعض فقہی مسائل لوگوں سے دریافت کئے جس کا ان کو جواب دیا گیا ۔ ابن حزم نے جب ان
کے جوابات پر اعتراض کیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ علم آپ کے بس کا نہیں ۔ اس جملہ سے
ان کے پندار کو ٹھیس لگی اور اس علم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے ۔

علامہ ابن حزم نے اپنی ایک کتاب "کتاب التقریب بعد المنطق" میں عام فلاسفہ اور منطقیوں
کے ڈگر سے ہٹ کر ایک نئی راہ اختیار کی اور اپنی کتاب میں جتنی بھی مثالیں دیں وہ ساری کی
ساری فقہ سے مستنبط ہیں ۔

عام طور سے متاخرین اور متقدمین نے فقہ حدیث اور تفسیر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ
فلسفہ اور منطق کو داخل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ علامہ ابن حزم وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے
عام روش کے خلاف منطق و فلسفہ ہی میں فقہ کو داخل کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی
حد تک کامیاب رہے۔ گو یہ روش عام نہیں ہوسکی مگر بہر حال ان کا یہ کام لائق صد تحسین ہے ۔
ابن حزم شاعر بھی تھے ۔ مضامین کے ساتھ اُن کی شاعری بھی مسلمہ تھی ۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ
مناظرے اور مباحثے میں گزرا ۔

آپ کی وفات ۴۵۶ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۷۲ برس تھی ۔

تصانیف :۔ ابن حزم نے ہر قسم کے علوم پر قلم آزمائی کی ۔ ابو رافع (ابن حزم
کے بیٹے) کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی تصنیفیں جو جلنے اور ضائع ہونے سے بچ رہی تھیں
چار سو جلدوں میں اور اسی ہزار اوراق پر مشتمل تھیں ۔ ان کی مشہور تصانیف جن کا تذکرہ علامہ
شمس الدین ذہبی ۔ علامہ ابن خلکان ۔ علامہ ابن العماد الحنبلی اور صاحب مرآۃ الجنان ابو محمد عبداللہ

بن اسعد وغیرہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں ا-

(۱) المحلّٰی (یہ کتاب مصر میں گیارہ جلدوں میں چھپی تھی) (۲) کتاب الاحکام فی اصول الاحکام (آٹھ جلدوں میں)۔(۳) الایصال الیٰ فھم الخصال۔ (۴) کتاب الفصل فی الملل والنحل (۵) کتاب اظہار تبدیل الیہود والنصاریٰ، کتاب بین التوراۃ والانجیل۔ (۶) التقریب بعد المنطق والمدخل (۷) کتاب الصادع فی ردعلیٰ من قال بالتقلید۔ (۸) کتاب شرح احادیث المؤطا۔ (۹) کتاب الجامع فی صحیح الحدیث۔(۱۰) کتاب منتقی الاجماع (یہ کتاب بھی مراتب الاجماع کے نام سے بیس سال قبل مصر میں چھپی تھی۔ (۱۱) کتاب کشف الالتباس بین الحنابلہ واصحاب القیاس (۱۲) سیرۃ النبویہ وغیرہ۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور علماء کے رد میں بھی علامہ ابن حزم نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب المحلّٰی میں کیا ہے[1]۔

امام غزالی رحمۃ اللہ ابن حزم کی ذہانت، حفظ اور ذکاوت کے بڑے معترف تھے۔ ذہبی ان کو مجتہد مانتے تھے، ان کا قول ہے کہ ان میں اجتہاد کے سارے شرائط پائے جاتے ہیں اور یہ علمائے کبار میں سے ہیں۔ ابن حزم کی ایک کتاب "طوق الحمام" نے یورپ میں بہت شہرت حاصل کی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا روسی انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں۔ انگریزی مترجم اے۔ آر نیکل (A.R NYKL) اور روسی مترجم ایم۔ اے۔ سیلر (M.A SALLAR) ہیں۔

(ب) اشتراک دولت

ابن حزم فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے اشتراک دولت کا ایک مکمل مربوط اور متوازن نظام پیش کیا ہے۔ اسراف و تبذیر کی ممانعت کی گئی ہے۔ اموال میں سائل و محروم کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۳۴۷۔

حقوق مقرر کئے گئے ۔ اسی طرح تقسیم وراثت کا قانون بھی نافذ کیا گیا ہے تاکہ ہر نسل کی ساری دولت پوری سوسائٹی میں تقسیم ہو جائے ۔

اسلام دولت کے ماخذوں کا مالک انسان کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے ۔ انسان کی ملکیت ذاتی کی نفی کی گئی ہے ۔ انسان 'امین' تو ہو سکتا ہے لیکن مالک نہیں ۔ مالکِ حقیقی ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ۔ مختصر یہ کہ اسلامی نظام میں 'ملک' کے معنے صرف تمتع کے حقوق ہیں اس طرح اسلام ساری دولت کو متاع کی حیثیت دیتا ہے 'متاع' سے "استفادہ" کرنے پر حدود اور شرائط عائد کئے گئے ہیں ۔ فرد اور ملت میں جو ربط ہے اس کو قائم رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ متاع سے استفادہ حاصل کرتے وقت بنی نوع انسان کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا جائے ۔ اس کیلئے شرائط ہیں جس کی نگران اسلامی حکومت قرار پائی ہے ۔ تاکہ معاشی توازن اور سماجی انصاف برقرار رہے ۔

اسلام کے سب سے بڑے دشمن وہ لوگ ہیں جو اسلام کے قانونِ وراثت پر قانون رواج CUSTOMARY LAW کو ترجیح دیتے ہیں ۔ یا وہ لوگ ہیں جو دولت کی مساوی تقسیم کو روکنے کیلئے 'ہبہ' یا 'وصیت' کے قانون کی آڑ لیتے ہیں ۔ یا پھر وہ لوگ بھی ہیں جو مذہبی پیشوائی کے روپ میں مال کا ناجائز حصول کرتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے خاندان کیلئے زکوٰۃ و صدقات حرام قرار دے کر مذہبی اور معاشی اصلاح کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم اٹھایا ۔

اسلام سرمایہ داری کی مکمل بیخ کنی کرتا ہے ۔ اسلام میں سودی عناصر کو بے دخل کیا گیا ہے ۔ اور سود خوار سرمایہ داروں کے خلاف محاذِ جنگ بنایا گیا ہے اسی طرح ذخیرہ اندوزی اور زر اندوزی کو روکا گیا ہے اور تباہ کن ناجائز اجارہ داریوں کا خاتمہ کیا گیا ہے محفوظ اور ترقی پذیر سرمایہ پر سماجی تحفظ کا ٹیکس (یعنی زکوٰۃ) عائد کیا گیا ہے ۔ اس کے منکرین کے خلاف جہاد کو واجب ٹھہرایا گیا ہے ۔ اگر زکوٰۃ کے محاصل وغیرہ عام احتیاجات کی تکمیل کیلئے ناکافی ہوں تو زکوٰۃ کے بعد بھی امراء اور اغنیاء کے مال میں اہلِ احتیاج کا حق رہتا ہے ۔ غرض ضرورت و احتیاج باقی ہے تو حق بھی باقی رہتا ہے

فقہ اسلامی کا واضح اور صریح اصول ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے بعد مالی و دولت میں غریبوں کا حق ختم نہیں ہو جاتا۔

ابن حزم فرماتے ہیں:

صح عن الشعبی و مجاهد وطاؤس وغیرهم کلهم یقول فی المال سوی الزکوٰۃ۔ (المحلیٰ جلد ٦ ص ١٥١)

صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ شعبی و مجاہد و طاؤس وغیرہ سب کی یہ رائے ہے کہ زائد مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی اہل حاجت کا حق ہے۔

عن ابن عمرؓ انه قال فی مالك حق سوی الزکوٰۃ۔

ابن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: تیرے مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔

حاجت مندوں کا حق تسلیم کرنے کے بعد اس کی حد کا سوال سامنے آتا ہے، کم سے کم حد بنیادی احتیاجات کی تکمیل اور کفایت ہے۔ اس حد تک سرمایہ داروں پر محاصل لگائے جا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (پ ٢٩ سورۂ معارج) — سائل و محروم کے لئے ان کے سرمایہ میں معین حق ہے۔

علامہ ابن حزم بنیادی احتیاجات کی فقہی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو ضروریاتِ زندگی کم سے کم اس معیار کی فراہم ہونی چاہئے۔

(١) غذا، ایسی غذا جو اُن کی زندگی اور ضروریات کارکردگی کیلئے ناگزیر ہو۔

(٢) لباس، ایسا لباس جو کہ گرمی سردی میں صحت و قوت کو برقرار رکھے۔

(٣) مکان، ایسا مکان جو بارش اور گرمی کے برے اثرات سے انہیں محفوظ رکھے۔ اور راستوں پر چلنے والوں کی نظروں سے ان کی خلوت کی پردہ داری ہو سکے۔

(المحلیٰ جلد ٦، مسئلہ ٧٢٥)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل قرابت کو ان کے حقوق دو اور مسا
مسافر کو بھی ۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۔ (سورۂ بنی اسرائیل

قیام و طعام کی ضروریات کے علاوہ طبی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل بھی ا
ہے ۔ نص قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ مساکین کی ضروریات پورا نہ کرنے کا نتیجہ جہ

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۔ (سورۂ مدثر ع ۱ ،
ہم خدا کے آگے جھکتے نہ تھے اور مساکین کے پیٹ بھرنے کا سامان نہ کرتے

تقسیم دولت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا فتوٰی ملاحظہ ہو

عن محمد بن علیؓ بن ابی طالب انہ سمع علی بن ابی طالب یقول ان
تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم ، فان جاعوا او
وجھدوا فیمنع الاغنیاء ، وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القی
یعذبھم علیہ ۔ (المحلیٰ جلد ۶ ص ۱۵۸)

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ
فرماتے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مال میں اہل حاجت کا اس قدر حق فرض
جو اُن کی بنیادی ضرورت کو کافی ہو سکے ۔ اگر اغنیاء کے مال کو رد کینے سے لوگ
اور ننگے رہیں یا تنگی میں مبتلا ہوں تو قیامت میں حق تعالیٰ کا محاسبہ اور عذاب ان
حق ہے ۔

اسلام بعض حالات میں دولت کی مساویانہ تقسیم کو جائز قرار دیتا ہے ۔ ایک
حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کی معیت میں تین سو صحابی سفر کر رہے تھے ۔ زادِ راہ ختم ہ
تھا ، جن کے پاس زادِ راہ باقی تھا ، وہ حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دے کر سب میں تقس
کرا دیا ۔ ابن حزمؒ المحلّیٰ میں فرماتے ہیں :

صح عن ابی عبیدۃ بن الجراح وثلث مائۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہ
ان زادھم فنی . . . . فامرھم ابوعبیدۃ . . . فجمعوا ازو

فی مزودہم وجعل یقوتھم ایاھا علی السواء ، فھذا اجماع مقطوع بہ من الصحابۃ رضی اللہ عنھم اجمعین. (المحلیٰ، جلد ۶ ص ۱۵۸)

ابوعبیدۃ بن جراح اور تین سو دوسرے صحابیوں سے یہ روایت صحیح ثابت ہے کہ ایک بار فوج کا زاد راہ سفر ختم ہوگیا تو حضرت ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ لوگ اپنے توشوں کو توشہ دانوں میں اکٹھا کرلیں اور اس کے بعد غذا سب میں مساوی تقسیم کرتے رہے پس اس مسئلہ پر صحابہ رضؓ کا قطعی اجماع ہے اور ان میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں۔

پھر اگر قحط یا فوجی ضرورت کی وجہ سے ایسی معاشی صورت حال پیدا ہوگئی ہو کہ سرمایہ داروں سے ان کی ضرورت کی تکمیل کے بعد ان کے بقیہ زائد اموال یا زائد منافع پر اہل ملک کی معاشی حال بہتر بنانے کیلئے حکومت کا قبضہ ضروری ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ بلکہ واجب ہے۔

عن ابی سعید الخدری ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان معہٗ فضل ظہر فلیعد بہ من لا ظہر لہ ، ومن کان بہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ ، قال فذکر من اصناف المال ماذکر حتی رأینا انہ لا حق لاحد منا فی الفضل ، قال ابومحمد ، ھذا اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنھم

(المحلی جلد ۶ ص ۱۸۵)

ابوسعید خدری رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس کے پاس سواری کا زائد اونٹ ہو چاہیئے کہ وہ اس شخص کو دے جس کے پاس سواری نہیں ہے ۔ جس کسی کے پاس زائد توشہ ہو اسے وہ اس شخص کو دے جس کے پاس توشہ نہ ہو۔ ابوسعید رضؓ کہتے ہیں کہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اموال کا تذکرہ فرماتے چلے گئے ۔ حتی کہ ہم لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ زائد از ضرورت مال میں ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے ۔

ایک موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے وصال سے پہلے فرمایا :

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت

لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین ، وهذا اسنادہ فی غایۃ الصحۃ والجلالۃ (المحلی جلد ۶ ص ۱۵۸)

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا اگر مجھے پہلے ہی اس امر کا اندازہ ہوتا جو بعد کو ہوا تو میں اغنیاء کے پس ماندہ سرمایہ اور زائد اموال کو لے کر فقراء و مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔ اس کی سند غایت درجہ صحیح اور قوی ہے۔

اسلام اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ حکومت پیدائش دولت کے ذرائع کو ملک کی معیشت کی اصلاح کیلئے اپنے قبضہ میں کرسکتی ہے۔

خلیفۂ اسلام حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی تائید سے یہ فیصلہ نافذ فرمایا کہ "جنگ قادسیہ کے بعد عراق کی جو زمین 'السواد' مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہے اس کا چوتھائی حصہ 'بجیلہ' کے سپرد کر دیا جائے۔ کیونکہ فوجی نشادوں کا چوتھائی حصہ اس قبیلہ کے سرفروشوں پر مشتمل تھا۔ اس قبیلہ کے دو تین سال قبضہ کے بعد اجتماعی مفاد کے لحاظ سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان زمینوں کو حکومت اپنے قبضہ و نگرانی میں لے لے، حضرت عمرؓ نے رئیس قبیلہ حضرت جریر بن عبداللہ کو آمادہ کیا کہ اس زمین سے ان کا قبیلہ اپنا قبضہ اٹھا لے۔ اور اس کو حکومت کے سپرد کر دے۔"

خیبر و نجران کی زمینوں کا تخلیہ ان ہی اصولوں پر ہوا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت حسب ضرورت ایسے اقدامات کرسکتی ہے۔

امام مالکؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔ فرماتے ہیں کہ کلیدی صنعتوں پر حکومت کا قبضہ جائز ہے۔

قال مالک ، تصیر الارض للسلطان

(المحلی جلد ۸ صفحہ ۲۳۸)